OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 www.arjish.com ISSN (PRINT): 2707-1200
DOI: https://doi.org/10.53575/u16.v6.01(22)158-167

علامہ اقبال کے تعلیمی افکار کا مطالعہ: مابعد نوآبادیاتی تناظر میں

Study of Allama Iqbal's Educational Thoughts: In Post-Colonial Perspectives

Dr. Shahida Rasool
Department of Urdu, The Women University, Multan.
Email: shahidaRasool9@gmil.com

Dr. Nazia Rahat
Department of Urdu, Ghazi University, D.G.Khan.
Email: naziashaukat27@gmail.com

Dr. Jameel-ul-Rahman
Department of Urdu, Ghazi University, D.G.Khan.
Email: jamilurahman@gmail.com

Received on: 21-01-2022 Accepted on: 23-02-2022

Abstract

The educational views of Iqbal are going through the process of acceptance and rejection like his other views. However untilnow, no tangible arguments have been presented in their rejection. As in the 20th century our educational system was filled with those defects which were analyzed by Iqbal. Iqbal was against of that educational system which was implemented in Indian subcontinents under the influence of colonial rule. His vision was not limited to the current deteriorated condition of his age, rather his far sightedness could see that even after the end of this colonial rule, this educational system can make us direction less. In this way, in the postcolonial scenario his predictions were proved to be true,and uptil now (the 2nd decade of 21st century) education has only become a machine. The present study aims to analyse the education system in the light of Iqbal's view in the context of colonialism and particularly post colonialism. The study further aims to explore Iqbal's views in their depth, meaning and practicality.

Keywords: Arguments, Educational system, Analyzed, Subcontinents, Colonialism, Postcolonial.

ملخص:

اقبال کے تعلیمی نظریات بھی ان کے دوسرے نظریات کی طرح ردو قبول کے عمل سے گزر رہے ہیں۔تاہم اب تک ان کے رد میں کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کی گئی۔ بیسویں صدی میں ہمارا تعلیمی نظام ان نقائص سے بھرا ہوا تھا جن کا تجزیہ اقبال نے کیا تھا۔اقبال اس تعلیمی نظام کے خلاف تھے جو نوآبادیاتی حکومت کے زیر اثر برصغیر پاک وہند میں رائج تھا۔ان کی نظر محض اس وقت کے حالت تک محدود نہیں تھی بلکہ ان کی دور اندیشی یہ دیکھ سکتی تھی کہ اس نوآبادیاتی دور کے خاتمے کے بعد بھی یہ تعلیمی نظام ہمیں بے سمت کر سکتا ہے۔اس طرح نوآبادیاتی منظر نامے میں

ان کی پیشین گوئیاں سچ ثابت ہوئیں اور اب تک (اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں) تعلیم صرف ایک مشین بن کر رہ گئی ہے۔اس مطالعہ کا مقصد موجودہ نظامِ تعلیم کا تجزیہ، اقبال کے نظریے کی روشنی میں نوآبادیات اور خصوصاًمابعد نوآبادیات کے تناظر میں کرنا ہے۔اور اقبال کے خیالات کی معنویت اور صداقت کو پرکھنا ہے۔

کلیدی الفاظ: دلائل، نظامِ تعلیم، تجزیہ، برصغیر، نوآبادیات، مابعد نوآبادیات۔

بیسویں صدی کا آغاز شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کے فکر وفلسفے کا وہ تعارف ثابت ہوا جس نے شاعر رومان کو فلسفی، مصلح اور مفکر پاکستان جیسے اہم حوالوں سے متعارف کرایا۔ان کی شاعری اور فلسفیانہ افکار کو ان کے زمانے میں ہی پذیرائی بھی حاصل ہوئی اور انہوں نے کافر، ملحد اور چالاک جیسے الزامات اور خطابات بھی وصول کئے لیکن ان کی تعلیمات اور افکار نے انہیں برصغیر پاک وہند میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں وہ مقبولیت عطا کی کہ ان پر اہل مغرب کے افکار وخیالات کا خوشہ چیں ہونے کا الزام لگانے والے بھی،ان کے افکار وتصورات سے استفادہ کرنے پر مجبور نظر آئے اور رفتہ رفتہ علامہ محمد اقبال بیسویں صدی کا وہ معتبر حوالہ ٹھہرا جس کی شاعری اور فلسفہ عام انسانوں کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص جرات اور اعتماد کا درس بن گیا۔

پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور اقبال کے خواب کو تعبیر ملی تو ہم نوآبادیاتی دور سے نکل کر مابعد نوآبادیات میں داخل ہوئے اور ایک طویل عرصہ حضرت علامہ اقبال کے افکار وخیالات کی خوب ترویج ہوئی۔ بیسویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں علامہ اقبال کے حوالے سے دبی دبی یہ سرگوشیاں سنائی دینے لگیں کہ اکیسویں صدی میں شاید افکار اقبال اپنی اہمیت اور افادیت کلیتاً کھو دیں گے۔ سو جہاں اقبال پر اعتراض کرنے والوں کی ایک کثیر تعداد نے جنم لیا وہاں اقبال کے حمایتیوں کی بھی کمی نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اقبال دو انتہاؤں میں بٹ گئے ایسی صورت حال سے نہ تو اقبال کے مخالفین کو فائدہ ہوا اور نہ ہی مداحین کو، کیونکہ دونوں پر اقبال کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

ے شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و مُلّا کے غلام اے ساقی (1)

ان تصریحات سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ افکار اقبال کی عدم تفہیم کے نتیجے میں ہم ان کی فکر کے کئی روشن زاویوں کا مطالعہ تک نہیں کر سکے اور نہیں سمجھ پائے کہ اقبال ہم سے کیا چاہتا ہے؟اس مقالے میں اقبال کے تعلیمی افکار کا مابعد نوآبادیاتی مطالعہ کیا جائے گا اور یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے گی کہ موجودہ صدی میں اقبال کے تعلیمی افکار اپنی اہمیت اور افادیت کھو چکے ہیں؟ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اقبال سے انحراف کا سبب کسی ایسی دنیا کی دریافت ہے جو ان کے احاطہ خیال میں نہ تھی؟اس امر کی تفہیم بھی ضروری ہے کہ اقبال مغربی نظام تعلیم کے مخالف کیوں تھے؟۔اقبال نے نوابادیاتی نظام میں آنکھ کھولی اس نے مذہبی تعلیم بھی حاصل کی اور فلسفہ مغرب کا عمیق مطالعہ بھی کیا اپنے مشرقی اساتذہ کے ساتھ ساتھ یورپین اساتذہ کے قدردان بھی رہے اور حکومت برطانیہ سے سر کا خطاب بھی پایا یہ تمام امور اقبال کے تعلیمی

افکار کا مابعد نو آبادیاتی مطالعہ کرنے کے متقاضی ہیں؟اس کا جواب یقیناً اثبات میں دیا جائے گا کہ مابعد نو آبادیاتی دور کے تہتر برس گزر جانے کے بعد ہم تعلیمی اعتبار سے جس صورت حال کا سامنا کر کررہے ہیں اقبال نے اس کی پیشن گوئی اپنے فکر و فلسفہ میں بہت پہلے کر دی تھی۔صاف محسوس ہوتا ہے کہ اقبال نہ صرف جدید تاریخ کے رجحانات سے واقف تھے بلکہ اپنی گہری فکری بصیرت اور سیاسی تجزیے کی بدولت وہ مستقبل کے افق پر ابھرنے والی نئی استعماری آہٹوں کو بھی محسوس کر رہے تھے(2)۔اس سے قبل کہ ہم اقبال کے ان افکار کو مابعد نو آبادیاتی تناظر میں پرکھیں جو مغربی نظام تعلیم کی قباحتوں کو اجاگر کرتے ہیں یہ صراحت ضروری ہے کہ اقبال محض مغرب کے نظام تعلیم سے نالاں نہیں تھے بلکہ انہوں نے برصغیر میں فروغ پانے والے مذہبی اور صوفیانہ خیالات پر کڑی تنقید کی اور مسلمانان برصغیر کے لئے تصوف کی ان تمام صورتوں کو زہر قاتل قرار دیا جو انہیں فکر و عمل سے بیگانہ کر دیں۔وہ کہتے ہیں:

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی و خود نگری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا (3)

پیر حرام سے اقبال کے یہ مطالبات اس امر کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ مغربی استعماری قوتوں کا مسلمانان برصغیر پر حاوی ہو جانا خود ان کی بے عملی کا نتیجہ ہے جس کا آغاز غالباً ۱۷۵۲ء سے ہو چکا تھا۔جنوبی ایشیاء کے مسلمان ایک طرف اپنی روایات کو بچانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف وہ مغربی استعماریت کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر اس پر قانع تھے۔سر سید احمد خان نے انہیں حالات سے مطابقت کی تعلیم دی تو مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے نتیجتاً اقبال کے زمانے تک وہ علمی اور عملی ہر دو اعتبار سے زوال کا شکار تھے۔اقبال مسلمانوں میں تحرک پیدا کرنے اور جدید روایات سے ہم آہنگ ہو کر اپنی روایات کی بقا کی تلقین کر رہے تھے مگر روایات کی بوسیدگی کو جھاڑنا آسان مرحلہ نہ تھا پھر بیسویں صدی میں خود اقبال یورپی تعلیم سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور مغرب کے اطوار کا بغور مشاہدہ بھی کر چکے تھے سو اب ان کی تنقید کا محور جہاں مسلمانوں کی بے عملی تھی وہاں مغربی تعلیم کی کچھ قباحتوں پر بھی کھل کر تنقید کی۔مگر بنیادی طور پر وہ مشرق اور مغرب کے تعلیمی افکار سے غیر مطمئن ہی تھے کیونکہ مذہبی تعلیمات میں تقدیر پرستی اور عجمی تصوف کے بعض عناصر نے مسلمانوں کو بے عملی کی طرف راغب اور احساس خودی سے بیگانہ کر دیا تھا اور مغرب کی جدید تعلیم انہیں دین سے دور کر رہی تھی اس لئے وہ تعلیمی اداروں اور ان کے منتظمین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ے اقبال یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لئے ایسے مقالات (4)

اور مغربی نظام تعلیم کو یوں ہدف تنقید بناتے ہیں۔

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہء فرہاد بھی ساتھ (5)

اقبال کے بعض تنگ نظر ناقدین ان کے تعلیمی افکار کو محض مغرب کی مخالفت کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں اور اقبال پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ خود سر کا خطاب لینے والا شاعر اپنی قوم کو مغربی نظام تعلیم سے دور رہنے کی ترغیب کیسے دے سکتا ہے؟ ایسے معترضین اس حقیقت کو کلیتاً فراموش کر دیتے ہیں کہ اقبال کا پیغام محض کسی ایک خطے یا قوم کے لئے نہیں تھا وہ پوری انسانیت کی صحیح معنوں میں بیداری کے خواہاں تھے اس لئے ان کے تعلیمی افکار کسی ایک نظام کے استرداد یا قبولیت کی داستان نہیں بلکہ قوم رسول ہاشمی کو ترکیب میں خاص قرار دے کر وہ عالم انسانیت کی توجہ اس امر پر مرکوز کرنا چاہتے تھے کہ مشرق اور مغرب نے چودہ سو سال قبل پیش کی گئی تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا ہے جو پیغمبر آخر الزماںؐ نے دی تھیں۔ نوآبادیاتی نظام جس کی بدولت مسلم روایات منہدم ہوئیں ایک سنجیدہ مفکر کی حیثیت سے اقبال کا اس پر غور و فکر اور اس کی قباحتوں کو اجاگر کرنا لازم تھا یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ علامہ اقبال نے سر سید احمد خان کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے مسلمانوں کو جدیدیت سے ہم آہنگ ہو کر اپنی روایات کی بقا کی تلقین کی مگر وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جنوبی ایشیاء کے مسلمان مغرب کی کورانہ تقلید کے نتیجے میں اپنی روایات کو یکسر فراموش کر دیں اس لئے وہ بڑی جرأت مندی سے کہتے ہیں:

اے اہلِ نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!
جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرہ نیساں وہ صدف کیا، وہ گہر کیا! (6)

اقبال نے کئی جگہ خود یہ اعتراف کیا ہے کہ ان کی زندگی کا زیادہ حصہ فلسفہ مغرب کے مطالعہ میں گزرا ہے لیکن قرآن وسنت کی تعلیمات اور مغربی افکار کے امتزاج نے اقبال کے ذہنی افق کو جس طرح وسیع کیا تھا وہی تقاضا وہ اپنے دور اور بعد میں آنے والے نوجوانوں سے کرتے ہیں۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کردے (7)

گزشتہ اوراق میں ہم نے صراحت کی ہے کہ مغربی نظام تعلیم کا نفاذ نوجوانان ملت کو ملحد بنا رہا ہے۔ اقبال کو اندیشہ تھا کہ اگر جنوبی ایشیاء کے مسلمان اپنے لئے کسی صحیح سمت کا تعین نہیں کریں گے تو وہ اپنی بنیادی روح یعنی مذہب سے محروم ہو جائیں گے ایسا تعلیمی نظام رائج ہو گا جو عزت نفس، خودداری اور ان تمام صفات سے محروم کردے گا جو کسی بھی قوم کی بقا کے لئے ضروری ہیں۔

ہوئی ہے زیرِ فلک اُمتوں کی رُسوائی
خودی سے جب ادب و دیں ہوئے ہیں بیگانہ (8)

ہم نے مقالے کے آغاز میں جو تین سوالات اٹھائے تھے ان میں سے آخری سوال کا جواب کسی حد تک فراہم کیا جا چکا ہے کہ اقبال مغربی نظام تعلیم کے مخالف کیوں تھے اس ضمن میں کچھ مزید وضاحت کے بعد ہم بقیہ دو سوالوں کے جواب تلاش کریں گے کہ یہی ہمارا بنیادی موضوع ہے۔ اقبال کو یہ احساس تھا کہ مغربی استعمار کا جنوبی ایشیاء پر بالجبر نفاذ محض یہاں حکمرانی قائم کرنا نہیں تھا بلکہ مقامی باشندوں کو کلیتاً ان کے ماضی سے منحرف کیا گیا اور ایسے اقدامات کئے جا رہے تھے جو انہیں ان کی اجتماعی یاداشت سے محروم کردیں اقبال جیسے مفکر کے لئے یہ صورت حال قابل قبول نہ تھی اس لئے وہ سرسید کے برعکس تقلید کی روش کو خودکشی قرار دیتے تھے اور ایسے مجدد پیدا کرنا چاہتے تھے جو نہ تو مغرب کی کورانہ تقلید کریں اور نہ ہی مشرق کی مقامی روایات کو آنکھ بند کر کے قبول کرلیں بلکہ قرآنی تعلیمات سے بہرہ ور ہونے کی تلقین ان کے تعلیمی نظام کا بنیادی محرک ہے کیونکہ بنیادی طور پر وہ اس جبر کا خاتمہ چاہتے تھے جس کے نتیجے میں مسلمان لاالہ الااللہ کی سلطنت سے بے دخل ہو رہا تھا۔ اس ضمن میں ان اساتذہ کو بھی ہدف تنقید بناتے ہیں جو شاہینوں کو خاک بازی کی تعلیم دے رہے تھے اور ایسے افکار و تصورات مسلط کر رہے تھے جس کے نتیجے میں قوم کے الحاد کا شکار ہونے کا احتمال ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لاالہ الااللہ (9)

اور

ے شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا (10)

ان اوراق میں ہم نے اقبال کے فکر و نظر کو نوآبادیاتی سیاق میں سمجھنے کی کوشش کی ہے اگرچہ مقالے کے آغاز میں یہ تصریح موجود ہے کہ بیسویں صدی کی آخری تین دہائیاں فکر اقبال کے حوالے سے شدید کشمکش کو مظاہر کرتی ہیں تاہم اقبال نے جس زمانے میں مشرق اور مغرب کے نظام تعلیم کو ہدف تنقید بنایا وہ بلاشبہ نوآبادیاتی دور تھا سر سید احمد خان کی منفرد اور جدید فکر نے اگرچہ علامہ محمد اقبال کو فکر و خیال کا ایک وسیع افق عطا کیا تاہم وہ سر سید کی طرح محض ان حالات کے مبصر اور ترجمان نہیں تھے جن میں ان کا اپنا عہد سانس لے رہا تھا بلکہ انہیں مستقبل میں بھی تقلید، جمود اور کرگسیت نظر آرہی تھی جس کا مشاہدہ وہ اپنے دور میں کر رہے تھے۔ شاہینوں کی شکست خوردگی کو اگرچہ انہوں نے نوآبادیاتی نظام میں موضوع بنایا تاہم مابعد نوآبادیاتی دور کا نوجوان بھی ان کی فکر کا براہ راست مخاطب محسوس ہوتا ہے جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ اقبال کے تعلیمی افکار عصر حاضر میں کوئی معنویت رکھتے یا نہیں تو اس حوالے سے مختلف آراء ہو سکتی ہیں۔ عین ممکن ہے بڑے بڑے دانشور اقبال کی فکر کو ان کے زمانے سے مخصوص کر کے اس امر کا اعلان ضروری سمجھیں کہ جدید افکار کی روشنی میں اقبال ایک قصہ پارینہ ہے لیکن ایسا کہنے والے اپنے دعوے کی کوئی مظبوط دلیل فراہم نہیں کر سکتے ایک گروہ کے نزدیک ہمارا منفی رویہ مغربی افکار کی یلغار اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے ہمیں بے سمت کر دیا ہے اس لئے فکر اقبال کی ضرورت تو ہے لیکن اس ضرورت کا احساس نہیں ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"اقبال نے جو پیغام بیسویں صدی کو دیا تھا ہم نے تو اس راستے ہی کو چھوڑ دیا ہے جب راستہ ہی بدل لیا تو پھر منزل بھی کوئی دوسری ہو گی، وہ منزل جس کی طرف ہم آنکھیں بند کر کے تیزی سے بڑھ رہے ہیں اس سفر میں اقبال ہمارا راہبر ہمارا مفکر نہیں رہے گا۔ ہماری زندگیوں کے اعمال سے عظیم اقبال کا کوئی گہرا تعلق باقی نہ رہے گا۔ اس کا پیغام بھی ہمارے لئے بے معنی ہو چکا ہو گا۔ اقبال کی عظمت اس میں ہے کہ انہوں نے اپنی روایت، اپنی تہذیب سے گہرا رشتہ قائم کر کے مغرب کے اثرات کو شعور کے ساتھ عمل امتزاج سے گزارنے کی کوشش کی تھی۔ اقبال کے خلاف ہم مغرب کو آنکھیں بند کر کے بے شعوری سے اوڑھ رہے ہیں اور اس طرح اوڑھ رہے ہیں کہ ہم اپنی تہذیبی قدروں اور نظام فکر کو بھلا بیٹھے ہیں۔"(11)

جمیل جالبی کا یہ تبصرہ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں لکھا گیا اور اکیسویں صدی بڑی حد تک اس کے حرف حرف کی صداقت پر گواہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ افکار اقبال اپنی معنویت اور افادیت کھو چکے ہیں بلکہ سنجیدہ طبقات آج بھی پوری ذمہ داری سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری بقا اور قومی تشخص کا تحفظ فکر اقبال کے احیاء کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ یقین، ولولہ، تلقین اور عمل پیہم کی جگہ اس قوم

میں بے عملی، بے یقینی اور تن آسانی راہ پا گئی ہے۔ سو اقبال کا یہ شعر مابعد نوآبادیاتی سیاق میں بھی اسی معنویت کا حامل ہے جیسا نوآبادیاتی دور میں تھا۔

؎ خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے (12)

اور ان کا فلسفہ خودی موجودہ دور میں من حیث القوم ہمیں اس جوہر سے محرومی کا طعنہ دے رہا ہے کہ ہمیں بعض بین الاقوامی عوامل، علم و حکمت کے موتی چننے اور اپنے اندر موجود لامتناہی امکانات کی کھوج کی صلاحیت سے بیگانہ کر رہے ہیں۔ سو اقبال کے یہ اشعار کسی بھی سنجیدہ طالب علم کے اندر اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو پہچاننے میں آج بھی اتنے ہی مددگار ہیں جتنے کل تھے۔

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتار طلسم ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفاں بھی ہے
سینہ ہے ترا امیں اس کے پیام ناز کا
جو نظام دہر میں پیدا بھی ہے، پنہاں بھی ہے (13)

یہ تمام اشعار امت مسلمہ سے بالخصوص اور عام انسان سے بالعموم یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ اپنے اندر چھپے ہوئے امکانات کی دریافت کا سفر کرے۔ اگر فکر اقبال کو کلیتاً غیر اہم قرار دے دیا جائے تو کیا انسان کی تلاش، جستجو اور دریافت کا عمل رک جائے گا۔ اقبال مذکورہ بالا بند کے آخری شعر میں خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں سے مخاطب نظر آتے ہیں اور انہیں اس امر کا احساس دلاتے ہیں کہ قرآن کی تعلیمات سے ان کا سینہ روشن ہے اگر وہ اس روشنی استفادہ کریں تو نہ صرف اپنا احساس خودی بیدار کر سکتے ہیں بلکہ پوری دنیا پر حکمرانی بھی کر سکتے ہیں۔

؎ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقام رنگ و بو کا راز پا جا (14)

تعلیم اقبال کا یہی وہ ایجاز ہے جس کی بنا پر ان کے افکار و خیالات کبھی قصہ پارینہ نہیں ہو سکتے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ موجودہ صدی اقبال کی صدی نہیں اور ان کی تعلیمی افکار اب ہمارے لئے بے سود ہیں تو اس امر کا بھی صاف اور صریح اعتراف کرنا ہوگا کہ افکار اقبال کے ماخذ یعنی قرآن و حدیث بھی نعوذ باللہ عصر حاضر کی ضرورت نہیں اگر بطور مسلمان ہم اس امر کو نہیں جھٹلا سکتے تو افکار اقبال کی اہمیت سے بھی انکار

نہیں کیا جا سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب و محرکات ہیں جو ہمیں قرآنی تعلیمات اور افکار اقبال سے بیگانہ رکھتے ہیں۔ کیا ہم نے کوئی ایسی دنیا دریافت کرلی ہے جس میں زندگی حرارت، معرفت اور بلند نظری افکار اقبال یا تعلیمات اقبال کو کل عدم قرار دے کر حاصل کی جا سکتی ہے اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ سائنسی ترقی کے مادی اثرات ہی اگر ہم پر ظاہر ہو جاتے تو ہم دنیاوی اعتبار سے بین الاقوامی سطح پر کوئی نام یا مقام حاصل کر لیتے لیکن مقام افسوس ہے کہ ہم نے تقلید اور محض تقلید کی روش کو اپنا شعار بنایا مغرب کی وضع قطع ہی اختیار نہیں کی بلکہ ان کے متروک خیالات کو بھی وہاں کے لنڈا بازاروں سے خرید کر روحانی اور مادی ہر دو اعتبار سے اپنے فکر اور سوچ کو جامد اور ساکت کر دیا ۔ عیش پرستی، آرام طلبی من حیث القوم اس قدر بڑھ گئی ہے کہ مکتبوں میں اساتذہ طالب علموں کو ان کے طبقات کے مطابق خاک بازی ہی کی تعلیم دے رہے ہیں نا پڑھانے والے اس امر سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں کہ وہ انبیاء کی میراث کے وارث ہیں اور ان کے ہاتھ میں قوم کا مستقبل ہے اور نا پڑھنے والے استاد کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بہترین تربیت کے ذریعے ان کی ذہنی افق کو وسیع کر سکے اس علمی اور فکری بحران کا ذمہ دار کون ہے؟ من حیث القوم ہماری تن آسانی یا بین الاقوامی سازش کہ ہم ذہنی طور پر غلام اور مفلوج رہیں۔ موخرالذکر رائے کو درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہم اس احساس سے کلیتاً بیگانہ کر دیئے گئے ہیں کہ ہمیں اپنے مستقبل اور بقا کی فکر کرنی چاہیئے ہم لمحہ موجود میں زندہ رہتے ہیں اور تساہل پسندی ہماری رگ وپے میں سرایت کر چکی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اس فیضان نظر سے محروم ہو گئے ہیں جس سے بہرہ ور ہو کر آداب فرزندی سیکھے اور سکھائے جا سکتے ہیں۔

؎ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی (15)

بظاہر ہم ایک ہنگامہ خیز دور میں سانس لے رہے ہیں لیکن بین الاقوامی نظام تعلیم کے نفاذ کے نتیجے میں ہر ستم سہنے اور ہر وہ منظر دیکھنے پر مجبور ہیں جو ہمارے لئے ناپسندیدہ ہے کیونکہ

؎ منظر چمنستاں کا زیبا ہو کہ نا زیبا
محروم عمل نرگس مجبور تماشا ہے (16)

ہمارے قلب و ذہن اگر قرآنی تعلیمات اور فکر اقبال سے آشنائی محسوس نہیں کرتے تو اس کی وجہ کوئی ایسی مثالی دنیا نہیں جس کی سحر انگیزی فکر قبال کو قصہ پارینہ بنا دے بلکہ یہ بے سمتی کا وہ سفر ہے جس کی منزل تباہی اور گمنامی ہے اقبال جب جوانوں کی تن آسانی پر خون کے آنسو رو رہے تھے تو انہیں احساس تھا کہ جس طرز کا تعلیمی نظام رائج ہو رہا ہے اس کے اثرات کتنے دوررس ہوں گے۔

؎ ترے صوفے ہیں افرنگی ،ترے قالیں ہیں ایرانی

لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی (17)

نوآبادیاتی نظام نے ہم پر جو چیز نہایت خوش اسلوبی سے مسلط کی ہے وہ انگریزی زبان ہے علامہ اقبال خود بھی اس پر عبور رکھتے تھے لیکن انہوں نے اس زبان کے ذریعے جس فکر و فلسفے کی ترویج کی ہے وہ مسلمانانِ برصغیر کے لئے عرفان و آگہی کا مظہر رہا ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی روایات کو یکسر فراموش کر کے اس تہذیب اور کلچر کی پیروی کو اپنا شعار بنالیا ہے جس سے ہمارا نظام فکر ثقافت اور تشخص بری طرح مجروح ہوا۔ ہمارے طالب علم تعلیم کے نام پر ایسے بے شمار کھلونوں کے حقدار بن گئے جن کا استعمال انہیں وقتی سرشاری تو عطا کرتا ہے لیکن وہ ذہنی اور فکری بلندی نہیں جس سے وہ اپنے مستقبل کو تابناک بنا سکیں سو ہمارے لئے اقبال کی یہ پیشن گوئی حرف حرف سچ ثابت ہو گی۔

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز جگر سوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامہء فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے (18)

ہمارے نظام تعلیم نے ذہنی اور فکری اعتبار سے ہمیں اس احساس سے بیگانہ کر دیا ہے کہ مذہب، روایات اور تہذیب و ثقافت ہی کسی قوم کی بقا کے ضامن ہوتے ہیں یہی نہیں بلکہ ان الفاظ کی بازگشت بھی اگر سنائی دے تو ہم اس سے ندامت یا شرمساری محسوس کرتے ہیں یہی وہ الحاد ہے جسے جدید تعلیم کے نتیجے میں مسلمانوں کی رگ و پے میں سرایت کر جانے کا اندیشہ اقبال کو تھا۔

محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام
ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش (19)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نوآبادیاتی دور گزر جانے کے بعد بھی مغربی استعمار نے ہمیں اس مضبوطی سے اپنے شکنجوں میں جکڑا ہے کہ آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے باوجود ہمارے قلب و ذہن خوئے غلامی سے نجات نا پا سکے ہم اپنی کسمپرسی اور معاشی بحران کے علاوہ ان گنت مجبوریوں کے نتیجے میں ایسی ریشمی زنجیریں پہننے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جن سے رہائی کی تدبیر محض اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ اقبال کے افکار قصہ پارینہ نہیں بلکہ وہ بھی اپنے فلسفے اور فکر کی وجہ سے زندہ رہنے پر مجبور دکھائی دیتا ہے اس کی مجبوری یہ نہیں کہ وہ زندہ ہے کیونکہ

وہ تو زندہ رہنے کے لئے ہی آیا تھا وہ بے بس اس لئے دکھائی دیتا ہے کہ اس کا کلام اس کا فلسفہ اس کی نمناک آنکھیں ایسی ہنگامہ خیز دنیا میں ہمیں اپنے حصے کا کردار ادا کرنے میں اور اپنی سمت کا تعین کرنے کی دعوت دے رہی ہیں جہاں ہم بظاہر متحرک ہیں لیکن ہمارا عمل اور تحرک ہمیں تباہی کی طرف لے جارہا ہے۔ وہ نہایت دردمندی سے آج بھی ہمیں عالم ایجاد میں صاحب ایجاد بننے کی تلقین کررہا ہے اس لئے یہ امکان غالب ہے کہ موجودہ دور میں اس کی فکر سے بے اعتنائی برتنے والے جب اپنے چاروں طرف گھپ اندھیرا محسوس کریں گے تو ان کی فکر اور فلسفہ ہی ایسے قلوب واذہان کو وہ تنویر عطا کرے گا جس سے وہ اپنے مستقبل کی راہیں متعین کرسکیں گے۔

References

1. Allama Muhammad Iqbal, Bal-e-Jibreel, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, Lahore, 2005, P.351
2.Muhammad Asif, Iqbal Aor Noabadiyatti Nizam, Fiction House,Lahore, 2019, P.9
3.Allama Iqbal, Zarb-e-Kaleem, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, P.571.
4. Ibid, P.591.
5. Allama Muhammad Iqbal, Bang-e-Dara, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, Lahore, 2005, P.238
6. .Allama Iqbal, Zarb-e-Kaleem, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, P.630.
7- Allama Muhammad Iqbal, Bal-e-Jibreel, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, Lahore, 2005, P.411
8- Allama Iqbal, Zarb-e-Kaleem, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, P.612
9- Allama Muhammad Iqbal, Bal-e-Jibreel, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, Lahore, 2005, P.377
10-Ibid, P.368.
11- Dr. Jamil Jalbi, Pakistan Mein Iqbal Ka Mustaqbil, Lahore, 2008, P.40.
12-Allama Iqbal, Bang-i-Dara, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, P.299.
13- Ibid, 220.
14- Allama Muhammad Iqbal, Bal-e-Jibreel, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, Lahore, 2005, P.410.
15-Ibid, 353.
16- Allama Iqbal, Bang-i-Dara, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, P.299.
17. Allama Muhammad Iqbal, Bal-e-Jibreel, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, Lahore, 2005, P.447.
18- Allama Iqbal, Zarb-e-Kaleem, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, P.653.
19- Allama Iqbal, Bang-i-Dara, Mashmolah Kuliyat-e-Iqbal, P.276.